تبصرہ و تعارف

رسالہ جامعہ

مدیر: پروفیسر شہپر رسول، نائب مدیر: تجمل حسین خاں
صفحات: ۲۰۰، قیمت: ۱۰۰ روپے
پتہ: رسالہ جامعہ، ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔ 110025

رسالہ جامعہ اپنے آغاز سے ہی ادبی، تہذیبی، علمی، قومی اور سیاسی شعور کا آئینہ دار رہا ہے۔ اس رسالے کی اشاعت جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاسیس کے دو برس بعد شروع ہوئی۔ اس لیے کہ جامعہ جیسے باوقار ادارے کے لیے ایک ایسے معتبر ترجمان کی ضرورت تھی، جو ادارے کی سرگرمیوں اور اساتذہ اور طلبا کی خدمات کو منظر عام پر لا سکے۔ رسالہ جامعہ کی اشاعت کا ایک بڑا مقصد اس وقت یہ بھی تھا کہ اس کے ذریعے طلبا میں صحافیانہ شعور پروان چڑھایا جائے۔ اس وقت طلبا کی تخلیقات اس رسالے میں شامل کی جاتی تھیں۔ آج پھر اس روایت کے احیا کی ضرورت ہے۔ بلکہ جامعہ کی اساتذہ برادری جو اپنے فکر و فن میں دنیا کے ادب میں ممتاز مقام رکھتی ہے، وہ بھی رسالہ جامعہ میں شرکت کرے۔

رسالہ جامعہ میں جامعہ کا فکری تنوع اور قوم و ملک کے تئیں مثبت خیالات کی اشاعت ابتداءً ناگزیر رہی ہے۔ حالاں کہ پروفیسر محمد مجیب اور ڈاکٹر عابد حسین کے جامعہ سے انسلاک کے بعد اس رسالے کے مزاج میں تبدیلی آئی اور اس میں ادبی و ثقافتی مضامین کی اشاعت کی تعداد میں اضافہ ہوا.... اور کم و بیش رسالہ جامعہ آج بھی اسی وقار و امتیاز کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

پیش نظر شمارہ جنوری — مارچ ۲۰۲۰ء ہے۔ پروفیسر شہپر رسول کی بحیثیت مدیر رسالہ جامعہ کی وابستگی کے بعد یہ پہلا شمارہ ہے۔ اس کے اداریے میں انھوں نے رسالہ جامعہ سے اپنی وابستگی کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بجا طور پر لکھا ہے کہ ''ہمارے ملک میں ادبی سطح پر زندہ اور ترقی یافتہ زبانوں کی خاصی تعداد ہے اور ان تمام زبانوں کے لکھنے والے مسائل اور تجربات کی ملتی جلتی صورتوں سے دوچار ہیں۔ آج جو چیلنجز ہمارے سامنے ہیں، وہ تمام ہندوستانی زبانوں اور علاقوں کے ادب اور ادبا کے لیے قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ.... ہندوستانی زبانوں کے ادب اور ادبا کو اس وقت زندگی اور سماج کے ان اجتماعی حوالوں کی اہمیت کو بنیادی طور پر تسلیم کرنا چاہیے، جو ہمارے چاروں طرف دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔''

اس شمارے کے مشمولات میں ''بازیافت'' کے تحت ''ہماری اسپرانٹو''، حروف کی بحث''، ''اردو کا مستقبل' عناوین کے تحت سر عبدالقادر نے بڑی مثبت اور جامع گفتگو کی ہے۔ علی الخصوص اردو کا مستقبل'' میں انھوں نے درست لکھا ہے کہ زبانیں نہ کبھی ایک دن میں پیدا ہوتی ہیں، نہ ایک دن میں مرتی ہیں۔ قدرتی طور پر بنتی ہیں اور قدرتی طور پر بدلتی یا گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔ ہماری یہ ملکی زبان بھی اسی طرح مختلف اثرات کے تابع رہی ہے۔

ظفر احمد نظامی کا مضمون ''گاندھی جی اور مسلمان'' بھی قابل ذکر مضمون ہے۔ انھوں نے ہندو۔ مسلمانوں کے اتحاد پر گاندھی جی کا نظریہ پیش کرتے ہوئے ان کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

> ''میں اچھے مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا اور ان کے پاکیزہ اور محبِّ وطن نمائندوں سے مل کر ذہن کو سمجھنے کا خواہشمند تھا، اسی لیے مجھے ان کے ساتھ گامزن ہونے میں کسی دباؤ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ وہ مجھے جہاں کہیں لے گئے میں ان کے ساتھ وہاں جاتا رہا تاکہ ان کی قربت حاصل کر سکوں۔''

اس کے ساتھ ہی گاندھی جی نے جیل میں ''شبلی نعمانی'' کی ''سیرت النبیؐ''، ''الکلام'' اور ''الفاروق'' کے مطالعے کے ساتھ ساتھ قرآن پاک سے متعلق محمد علی کے تعارف پر بھی نظر دوڑائی اور قرآن پاک کے دیگر تراجم کا بغور مطالعہ کیا۔ اس مطالعے کے بعد ان کا موقف اس طرح سامنے آیا کہ ''میں زندگی بھر مسلمانوں کے ساتھ رہتا آیا ہوں اور سب سے بڑا سبق جو میں نے اسلام سے سیکھا ہے یہ ہے کہ یہ انسانی اخوت اور مساوات کا درس دیتا ہے، خواہ وہ شاہ ہو یا گدا۔''

ایک مضمون جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بھی متعلق شامل اشاعت ہے۔ محمد سالم قدوائی نے ''یادیں اور باتیں جامعہ کی'' میں جامعہ کی خوبصورت انداز میں مختصراً تاریخ بیان کر دی ہے، جس سے ان کی یادداشت اور وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

''تحقیق و تنقید'' کے باب میں محمد ذوالفقار حسین کا ''اکبر کے چند شعر — وضاحت اور تجزیے'' عبدالرشید کا ''قصۂ قلفی جون پور — تعارف اور متن''، اور معین الدین شاہین کا ''شاہد جمالی — ایک منفرد تذکرہ نگار''

بے حد معلوماتی اور لائق مطالعہ مضامین ہیں۔ ان مضامین میں تحقیق وتنقید کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کامیاب سعی کی گئی ہے۔ قصہ قاضی جونپور اگر چہ منظوم ہے، لیکن اس تواتر کے ساتھ اور سہل انداز میں قصّہ بیان کیا گیا ہے کہ بس پڑھتے جائیے۔

اگر چہ ابتدائی مضامین بہت پرانے ہیں، لیکن ان کی افادیت آج بھی برقرار ہے، اسی لیے شامل رسالہ کیے گئے ہیں۔ اُمید ہے ''رسالہ جامعہ'' اہل جامعہ کے ساتھ ساتھ دیگر اہل علم کی معلومات میں بھی اضافہ کا سبب ہوگا اور ہر شائق علم وادب سے پذیرائی حاصل کرے گا۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر منور حسن کمال

N-93، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی، موبائل: 9873819521

رفعت قلم

مصنفہ: قمر النساء

صحافت: ۱۹۲، قیمت: ۲۵۰/روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ رفاہِ عام درگاہ بندہ نواز، گلبرگہ (کرناٹک)

محترمہ آنسہ قمر النسا کی کتاب ''رفعت قلم'' کے مطالعے کے بعد پیر ومرشد حضرت سعدی کی بات یاد آئی کہ (تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد) یعنی جب تک کوئی آدمی بات نہ کرے اس کا عیب اور ہنر دونوں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ میں اس اصول پر صرف گفتہ ہی نہیں نوشتہ کو بھی پرکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ محترمہ قمر النسا کی کتاب ''رفعت قلم'' نے ان کی تحریر کو بھی رفعت اور بلندی سے سرفراز کیا ہے۔

پروفیسر عبدالرب قمر النسا کی اس ادبی وتنقیدی کاوش کو دو چار برس کی کہانی نہیں سمجھتے وہ اس کتاب کے اجمالی جائزے میں اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

''میں انھیں دور طالب علمی سے جانتا ہوں جب وہ ایم اے کر رہی تھیں۔ اس وقت سے ہی ان کی علمی وادبی دلچسپی نمایاں نظر آرہی تھی۔ اس پر بغیر تکان محنت کرنا، انہاک سے مطالعہ کرنا، اطاعت وفرماں برداری، بروقت نوٹس نکالنا متزاد تھیں۔

قمر النسا نے اپنی اس کتاب میں فیض کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ 'میزان ایک جائزہ' اور اقبال کی نظم کا ایک تاثراتی جائزہ بڑے عالمانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

استعماری قوتوں کے خلاف اور اپنے ہم وطنوں کو خواب غفلت سے جگانے میں اقبال اور فیض کی قلمی جدوجہد کسی سے مخفی نہیں۔ ان دونوں شخصیات کی شاعرانہ رفعت اور فکر وفن پر محترمہ قمر النسا نے عمدہ خامہ فرسائی کی ہے۔ اچھی شاعری کو اچھی نثر میں دلائل کے ساتھ بیان کرنے کا جو انداز رفعت قلم میں دیکھا ہے کم ہی لکھاریوں کو نصیب ہوتا ہے۔ کسی زمانے میں میرا گمان یہ تھا کہ اچھا شعر کہنے اور اچھی نثر لکھنے کے لیے دہلی یا لکھنؤ سے تعلق رکھنا ضروری ہے۔ دہلی کی حالت زار پر تو خطوط غالب اور دیوان میر پڑھنے کے بعد ترس آتا تھا۔ البتہ لکھنؤ کے بارے میں خیال تھا کہ وہاں لوگ عام گفتگو جملوں کی جگہ مصرعوں میں کرتے ہیں، قافیوں میں ہنستے ہیں، ردیف میں روتے ہیں، بحثا بحثی میں گفتگو سے خارج نہیں ہوتے۔ کاروبار گلشن پہ کیا موقوف اودھ میں کار سرکار بھی شعر کے سہارے چلتا ہوگا۔ عرضی مثنوی کی صورت، فیصلہ رباعی میں، انعام کے عوض قصیدہ، ہرجانے کے بدلے ہجو سے تواضع کی جائے گی اور بقول مختار مسعود شاید اسی لیے حسرت کے موہان، اصغر کے گونڈہ، ریاض کے خیر آباد، عبدالرحمٰن کے بجنور، رشید احمد صدیقی کے جونپور، مشتاق احمد یوسفی کے پور اور ٹونک اور ولی کے دکن کو بھی دلی اور لکھنؤ کے مضافات سمجھتا تھا۔ مجھے تو اقبال، فیض، پطرس بخاری بھی دلی اور لکھنؤ کے گاگر سے پینے اور پیاس بجھانے والے لگتے تھے۔

'ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور ان کے معاصر ماہر لسانیات' اور 'جوگندر پال کی ناول نگاری' کے ساتھ ساتھ 'مضامین سرسید کا اجمالی جائزہ' 'اقوال سرسید اقبال اور آزاد' کے علاوہ 'مولانا آزاد کا تصور تعلیم' بھی اس کتاب کے اہم مضامین ہیں۔ جہاں محترمہ کے قلم کی جولانی اور گہرائی دیدنی ہے۔

قمر النسا نے اپنے تیز مشاہدے، شاداب تخیل، فنی مہارت اور گلبرگہ یونیورسٹی کی اعلیٰ تہذیبی وثقافتی اقدار کو بروئے کار لا کر قاری کو ان شخصیات کے حوالے سے مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ اپنے فکری اور ذہنی تجربات کو موزوں الفاظ میں اور اپنے مافی الضمیر کو قاری کے سامنے اس انداز میں پیش کیا ہے کہ فن تنقید میں ایک الگ راہ نکالی ہے۔ صغریٰ عالم کی شاعری سے شناسائی بھی قمر النسا نے کرائی البتہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور جوگندر پال کے بارے میں تھوڑی بہت آگاہی اس وقت ہوئی جب میں مشتاق احمد یوسفی کے اسلوب پر کام کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ اردو ناول پر بھی مختلف مضامین کا مطالعہ کر رہا تھا۔ آزاد، اقبال اور سرسید اردو والوں کے لیے نئے نام نہیں تینوں نے ادب میں امامت کے فرائض انجام دیے اور اپنے ناقۂ بے زمام کو سوئے رواں دواں رکھنے کے لیے بانگ درا اور ناقوس بجاتے رہے۔ مجھے نہیں اندازہ ہے کہ ان کی تعلیمی اصلاحات اور نظریات سے کتنا استفادہ کیا گیا ہے، مگر جہاں تک ان کی تحریروں کو پڑھتا ہوں تو ان کی دانشوری اور وسعت قلبی وعلمی تاثر زائل نہیں ہوتا۔

سرسید کی نثر اور اقبال کی شخصیت کچھ زیادہ متاثر کن نہیں۔ ست الوجود اقبال کی شخصیت اور پھیکی سپاٹ تحریریں مضامین سرسید کا خاصہ ہے۔ مجھے ان دونوں شخصیات نے ایک اور انداز سے متاثر کیا ہے جب رفعت قلم میں ان کے حوالے سے اقوال پڑھے تو تاثر مزید پختہ ہوگیا۔

اقبال کی شخصی زندگی شاید سرسید کی نثر کی طرح قابل رشک نہ تھی مگر اقبال کی شاعری اور ان کا پیغام سرسید کی زندگی اور عملی جدوجہد کا درست آئینہ ہے۔ جس تگ وتاز اور حرکت ورفعت کا اقبال خواہاں ہے سرسید کی زندگی میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ رفعت قلم میں قمرالنسا نے اقبال کے جس شاہین، مردمومن اور فطرت شناس کا پرتو پیش کیا ہے۔ جو وسیع النظر اور ہمہ صفت موصوف، مصلح، دردمند، بیتاب اور ان تھک، انجمنوں اور اداروں کا بانی، مصنف اور مترجم، مفکر اور مؤرخ، پرانی سنگ وخشت کا قدر شناس اور نئی عمارتوں کا معمار، تعلیم پھیلانے والا، عصری علوم کو خوش آمدید کہنے والا، صنعت وحرفت کی اہمیت کا قائل، توہمات کا دشمن، معقولات کا دوست، اپنی جھولی چندے سے بھرنے والا، راتوں کو اٹھ کر مسلمانوں کے زوال پر آنسو بہانے والا۔ دنیاوی ترقی اور دینی حمیت کا خواہاں، تحقیق کے لیے اپنے اثاثے بیچ کر اور گھر رہن رکھ کر سات سمندر پار کرنے والا اگر کوئی ہوسکتا ہے تو سرسید احمد خان ہے۔ زیر نظر تصنیف رفعت قلم میں سرسید کی یہ تمام صفات اقوال کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

بلاشبہ رفعت قلم علم ودانش کے حوالے سے وہ ست رنگا گلدان ہے جس میں مختلف موضوعات کے حوالے سے مدلل اور سیر حاصل بحث ملتی ہے۔ اس کتاب کے چھاپنے پر ان کے وارثین اور اساتذہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور خود ان کے لیے یہی دعا ہے کہ آنسہ قمرالنسا کو اللہ نظر بد سے بچائے اور اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر الطاف یوسف زئی
ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ (پاکستان)

صدائے سحر

مترجم ومؤلف: عرفان عارف، مصنف: پریتما سحر
صفحات: ۱۹۹، قیمت: درج نہیں ہے
ناشر: قاسمی کتب خانہ، جموں، ایم ایم پبلی کیشنز، دہلی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیوان ناطق بنایا ہے یعنی قوت گویائی اس کو عطا کی گئی ہے جس کا تعلق مخاطب سے ہوتا ہے جس سے افہام وتفہیم کا پہلو نکلتا ہے اور افہام وتفہیم کا منبع ومحور زبان وادب ہے۔ دنیا کے اندر چونکہ اللہ نے نوع بنوع قسم کے انسانوں کو پیدا کیا ہے جن کی شکل وصورت سے لے کر کھان پان، رہن سہن سب ہی الگ الگ ہیں۔ زندگی کے پہلو مختلف ہونے کی وجہ سے متعدد زبانیں وجود میں آئیں اور پھر ضرورت انسانی اور جذبۂ افہام وتفہیم نے اس بات پر مجبور کیا کہ ایک دوسرے کو سمجھا جائے جس کے اندر ترجمہ نگاری نے پل کا کام کیا۔ اس لیے کسی بھی قلمکار کے لیے یہ بات سند کا درجہ رکھتی ہے کہ اس کی نگارشات کا کسی دیگر زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ یہ بات اس وقت اور بھی اہمیت کی حامل ہوجاتی ہے جب مترجم ایک ماہر لسانیات کے ساتھ ساتھ ماہر فن بھی ہو۔ کیونکہ لفظی ترجمہ الگ چیز ہے اور فنّی اعتبار سے نگارشات کا مزین ہونا اس کے حسن کو دوبالا کردیتا ہے۔

ترجمہ نگاری ارتقائی منزل کی سیڑھی ہے۔ اب یہ کتابی معیار ومواد پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کتنی سیڑھی چڑھ پاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح عرفان عارف جوار دو ادب کا معتبر نام ہے انھوں نے بھی محترمہ پریتما سحر سے اردو والوں کو متعارف کرا کر معاصرین اردو اور ذخیرۂ ادب میں اضافہ کا کام کیا ہے۔ عرفان عارف بذات خود ایک ادیب ہیں۔ وہ ادبی نگارشات کے نبض شناس ہونے کے ناطے پریتما سحر کی نظموں سے متاثر ہوئے۔ انھوں نے جذبۂ انسانی اور محبت کی جو بھینی بھینی خوشبو موصوف کی نظموں میں محسوس کی اس کو قارئین تک پہنچانے کے لیے ترجمہ نگاری کا کام انجام دیا جس کے لیے عرفان عارف مبارکباد کے مستحق ہیں۔

محترمہ پریتما سحر نے شاعری کے پیرایے میں جو محبت کی بات کی ہے اس کی خوشبو قاری ہمیشہ محسوس کرے گا جس طرح اردو کی شیرینی محترمہ پریتما کو ان کی مادری زبان ہندی ہونے کے باوجود اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب رہی، اسی طرح محترمہ کی شاعری دلوں کو مسحور کرنے میں کامیاب ہوگی۔

جس طرح ٹائٹل پر دھندلی سی تصویر صدائے سحر کا عکس پیش کرتی ہے اسی طرح ان کی نظمیں زبان سحر کی تصویر پیش کرتی ہیں جنھیں پڑھ کر تصویر محبت کا انجانا سا عکس سامنے آجاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

من کے آئینہ میں دیکھتی ہوں ایک عکس
کچھ کچھ یا شاید بہت کچھ
تم سے ملتا جلتا / تبسم کا وہی سلسلہ
جو اکثر تم سے شروع ہوتا ہے
وجود کی وہی مہکتی خوشبو
جو صرف تمہاری ہوسکتی ہے
میری اُلجھن کے وہی سلجھے خواب
جو صرف اور صرف تمہارے پاس ہوتے ہیں

اور وہی احساس جو تمہارے سوا
کبھی کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا

پریتما سحر کی شاعری روایتی شاعری کی امین ہے۔ ان کی اس کاوش کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور نہ عرفان صاحب ہی کی محنت کو جنھوں نے ترجمہ نگاری کے حوالے سے محترمہ سے روشناس کرایا۔

جن ہواؤں سے محبت کی ضیا روشن ہو
ان ہواؤں کو بھلا کیوں نہ ہوا دی جائے

تبصرہ نگار: ماسٹر نثار احمد
413، مین روڈ، کردم پوری، دہلی، موبائل:9312132695

قرآن اور تخلیق انسانی

مصنف: ڈاکٹر ایم ایم شیخ
صفحات: ۱۳۶
ملنے کا پتہ: 15، مولانا آزاد ہاؤسنگ، روضہ باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

زیر مطالعہ کتاب ''قرآن اور تخلیق انسانی'' اپنے موضوع کی مناسبت سے بہت جامع مختصر اور سیر حاصل کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے تخلیق کائنات سے لے کر تخلیق انسانی تک کا مرحلہ معاصر سائنسی نظریات کا تقابل کرتے ہوئے قرآنی روشنی میں طے کرایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ تخلیق انسانی کے حوالے سے قرآن نے جو پیش قیاسی ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی تھی وہ نہ صرف حرف بحرف سچ ثابت ہو رہی ہے بلکہ سائنسدانوں نے انہی خطوط پر تحقیق کرتے ہوئے اپنے خرمن سائنس میں بیش بہا اضافے کیے ہیں۔

ایک سو چھتیس صفحات پر مشتمل زیر نظر کتاب میں ۲۶ عناوین اور ذیلی عناوین کے تحت سائنسی موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ وجود کائنات سے شروع کرتے ہوئے شکم مادر میں جنس کے تعین پر کتاب کو ختم کیا ہے۔ کائنات کے ارتقا اور اس میں پائی جانے والی سچائیوں کے حوالے سے سائنسی گفتگو کرتے ہوئے کائنات ارضی پر زندگی کا آغاز، مٹی پانی، اور ہوا سے تخلیق آدمؑ کے ساتھ ساتھ حضرت حوا اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش پر بھی گفتگو کی ہے اور نطفہ اور خون سے نسل انسانی کی افزائش پر قرآنی اور سائنسی حوالوں سے بحث کی ہے۔

قرآن کریم کے سائنسی موضوعات پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ نشانیوں کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں چھ ہزار سے زائد آیات ہیں جن میں تقریباً ایک ہزار آیات سائنسی موضوعات سے بحث کرتی ہیں۔ آفاق کائنات کی ان چند نشانیوں کے علاوہ اگر انسان غور کرے تو خود اس کی اپنی ذات میں ایسی لاتعداد نشانیاں موجود ہیں۔ جیسے رحم مادر میں جنین کی پرورش، ولادت، جسم کی نشو و نما، بچپن، جوانی، بڑھاپا اور پھر ایک مخصوص مدت تک پہنچنے کے بعد وفات۔ انسانی زندگی کے یہ مراحل بھی دعوت فکر دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انسانی جسم کا حیرت انگیز مشینی نظام خود اپنے آپ میں قدرت کی حیرت انگیز کاریگری کی عظیم نشانی ہے۔

مصنف نے کتاب کے اندر قرآنی حوالوں سے شکم مادر میں تخلیق انسانی کا مرحلہ وار ذکر کیا ہے۔ انھوں نے قرآن کی آیت کا حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ انسانی تخلیق کا پہلا مرحلہ نطفہ ہے جو حقیر پانی پر مشتمل ہے۔ دوسرا مرحلہ علقہ ہے جو جونک نما گہرا سرخ خون ہوتا ہے۔ تیسرا مرحلہ مضغہ ہے جو چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ تیسرا مرحلہ عظام کا ہے جو نطفہ، علقہ اور مضغہ کے بعد آتا ہے اور ان تینوں کو مزید مضبوط بناتا ہے۔ انسانی تخلیق کا آخری مرحلہ لحم ہے۔ یعنی ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنائے جانے کے بعد انسانی تخلیق مکمل ہو جاتی اور پھر شکم مادر میں اس کی نشو و نما ہوتی ہے۔ مصنف نے سائنسی حوالوں سے بھی گفتگو کرتے ہوئے شکم مادر کے اندر جنین اور رحم کی پوری تفصیلات تصاویر کے ذریعے پیش کی ہیں اور رحم مادر کے تین پردوں کو قرآنی حوالوں سے ثابت کیا ہے۔ ساتھ ہی تصویریں بھی پیش کی ہیں جس سے مضمون پوری طرح واضح ہو گیا ہے۔ اپنے مقصد کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے جنینیات کے ماہرین کی رائیں بھی پیش کی ہیں اور قرآنی ارشادات کو موجودہ سائنسی تحقیقات کے حوالے سے صحیح ثابت کیا ہے۔ مصنف نے ضمنی طور پر طب کی مختصر تاریخ بھی پیش کی ہے۔

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر کیپٹن محمد منتخب الدین شیخ المعروف بہ ڈاکٹر ایم ایم شیخ مشہور سائنس داں اور ماہر حشرات ہیں۔ وہ انٹامالوجیکل سوسائٹی آف انڈیا سے فیلو آف انٹامالوجیکل سوسائٹی کے اعزاز سے سرفراز کیے جا چکے ہیں۔ مختلف انتظامی اور علمی عہدوں پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی نگرانی میں بہت سے ریسرچ اسکالرس نے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ ان کی ۱۰۰/ سے زائد عام فہم سائنس پر تقاریر، سائنسی مضامین، فیچرس اور انٹرویو شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی دو کتابیں ''سائنسی شعاعیں'' اور ''ریشم سازی'' منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اوّل الذکر پر مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی نے ایوارڈ سے بھی نوازا ہے۔

تبصرہ نگار: محمد رضا فراز
ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، موبائل:9650873329

◆◆◆